رَجَبٌ

تصنیف: حضرت مولانا ندیم احمد انصاری حفظہ اللہ

www.afif.in

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، ممبئی، انڈیا

ط: روزنامہ سہارا، متاعِ آخرت، اردو ٹائمز وغیرہ

رجب کا مہینہ

قرآن وسنت کی روشنی میں

خالقِ کائنات نے اس دنیاے رنگ و بو کو وجود بخشا اور انسان کو اشرف المخلوقات کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور انسان کی رشد و ہدایت کے لیے پے در پے انبیائے کرام علیہم السلام کو انھیں میں سے مبعوث کیا۔ پھر ان کے ماننے والوں کو چند امور کا پابند بنایا اور جو اللہ تعالیٰ کی ان ہدایات پر عمل پیرا ہو اس کی کامیابی کا بھی اس کریم مولا نے از خود وعدہ فرمایا، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ان کی ہدایات سے ہٹ کر نہ گزاریں۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ۔

اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں، اس روز سے جب کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اللہ کی کتاب میں سال کے بارہ مہینے لکھے ہوئے ہیں، ان میں سے

چار مہینے ادب کے ہیں۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بلاشبہ زمانہ اپنی اسی اصل حالت پر لوٹ آیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان وزمین کی تخلیق سے پہلے مقدر فرمایا تھا۔ سال؛ بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں سے چار مہینے احترام وادب والے ہیں۔ تین مہینے مسلسل؛ ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور ایک مہینہ مضر کا رجب ہے، جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔[۲]

رجب کے معنی

لغت میں 'رجب' کے معنی 'ڈر اور تعظیم' کے ہیں، اسی سے رجب نکلا ہے، اور اس کی جمع ارجاب، رجوب اور رجبۃ اور ارجبۃ آتی ہے۔ علامہ جزریؒ نے اپنی کتاب 'نہایہ' میں تحریر فرمایا ہے کہ ترجیب کے معنی 'تعظیم کرنے کے ہیں' اسی وجہ سے عرب رجب کی تعظیم کرتے تھے۔ ماہِ رجب، جمادی الآخرہ اور شعبان المعظم کے درمیان والا مہینہ ہے۔ اسے 'رجبِ مضر' بھی کہتے تھے، کیوں کہ قبیلۂ مضر اس کی خاص طور پر حرمت وتعظیم کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ ماہِ رجب، جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان والا مہینہ ہے، اس میں اس بات کی تاکید مقصود ہے کہ لوگ ایک ماہ کو ہٹا کر، دوسرے ماہ کی جگہ دے دیا کرتے تھے۔[۳]

[۱] التوبہ:۳٦

[۲] بخاری:٦۷

[۳] ماثبت بالسنۃ:٦۹

□

رجب اللہ کا مہینہ

سند کے اعتبار سے ایک کمزور روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رجب اللہ کا، شعبان میرا اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔[۱]

رجب کا چاند دیکھ کر پڑھی جانے والی دعا

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجب کا چاند دیکھ کر یہ دعا فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَ بَلِّغْنَا رَمَضَانَ۔

اے اللہ! ہمارے رجب وشعبان میں برکت نصیب فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا دے۔[۲]

اس ایک دعا کے علاوہ اس ماہ سے متعلق دیگر جو چیزیں عوام میں مشہور ہو گئی ہیں، ان کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

رجب میں عمرہ

ایک مسئلہ خصوصیت سے رجب کے مہینے میں عمرہ کرنے کا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجب میں عمرہ ادا فرمایا اور حضرت عمرؓ، ان کے صاحب زادےؓ اور حضرت عائشہؓ (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں ثابت

[۱] شعب الایمان: ۳۸۱۳

[۲] عمل الیوم واللیلۃ: ۶۵۹

ہے کہ یہ حضرات رجب کے مہینے میں عمرہ کیا کرتے تھے، اس لیے رجب کے مہینے میں عمرہ کرنا مستحب ہوگا۔ علامہ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ سلفِ صالحین ایسا کرتے تھے۔[۱]

'شمائلِ کبریٰ' میں ہے:

اگر چہ صحیح روایت سے رجب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمرہ نہ کرنا ثابت ہے، تاہم رجب میں عمرہ کرنا حضراتِ صحابۂ کرامؓ سے ثابت ہے، چوں کہ یہ شہرِ حرام ہے اور وسطِ سال میں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ ہر سال رجب میں عمرہ کرتے تھے، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رجب میں عمرہ فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے بھی مدینہ منورہ سے رجب میں عمرہ کیا تھا۔[۲]

رجب کی قربانی

اسلام کے ابتدائی زمانے میں رجب کے مہینے میں خصوصیت سے جانور کی قربانی کی جاتی تھی، اسے 'رجبی' کہتے تھے لیکن جمہور کے قول کے مطابق جو چیزیں اسلام میں بہت شروع زمانے ہی میں منسوخ کر دی گئیں، من جملہ ان کے رجبی بھی ہے۔[۳]

بعض لوگ سنن ابوداود وغیرہ میں وارد ایک روایت کی بنا پر اسے اب بھی مستحب سمجھتے ہیں کہ رجب کے ابتدائی دس دنوں میں یا رجب کی دسویں تاریخ میں خصوصیت سے جانور ذبح کرنا مستحب ہے جب کہ خود حضرت امام ابوداودؒ نے اس

[۱] مسند احمد: ۲/ ۳۷
[۲] ۱۲/ ۵۱۴، زمزم پبلیشرز
[۳] ما ثبت بالسنۃ: ۷۹-۷۸

روایت کو منسوخ قرار دیا ہے یعنی اب یہ حکم باقی نہیں رہا۔[١]

بخاری اور مسلم میں وارد روایات کے مطابق بھی عتیرۃ اور رجبی کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (اب اسلام میں) عتیرۃ کوئی چیز نہیں۔[٢]

ہزاری روزہ

٢٧/ رجب میں روزے کے متعلق بھی کوئی صحیح حدیث کتبِ حدیث میں مذکور نہیں اور نہ ہی فقہاء نے ان ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت بیان کی ہے۔ عوام میں ٢٧/ رجب کے متعلق بہت بڑی فضیلت مشہور ہے، مگر وہ غلط ہے۔ اس فضیلت کا اعتقاد بھی غلط ہے، اس نیت سے روزہ رکھنا بھی غلط ہے۔[٣]

حق بات یہ ہے کہ ستائیسویں رجب کے بارے میں جو روایات آئی ہیں وہ موضوع اور ضعیف ہیں، صحیح اور قابلِ اعتماد نہیں۔ لہٰذا! ٢٧/ رجب کو عاشورا کی طرح مسنون سمجھ کر روزہ رکھنا کہ ہزار روزوں کا ثواب ملے گا۔۔۔ممنوع ہے۔[٤]

ایک روایت میں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجب میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔[٥]

[١] ابوداود: ٢٧٩٩

[٢] بخاری: ٥٤٧٤

[٣] فتاویٰ محمودیہ: ١٠/ ٢٠٢ جدید

[٤] فتاویٰ رحیمیہ جدید: ٤/ ٨٨

[٥] ابن ماجہ: ١٧٤٣

امام طبرانیؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے خرشہ بن حُر کی روایت سے لکھا ہے کہ میں ☐ نے حضرت عمر فاروقؓ کو دیکھا کہ وہ رجبی روزے داروں کو پکڑ کر کھانا کھلاتے اور فرماتے: یہ رجبی کیا چیز ہے؟ غور سے سنو، رجب وہ مہینہ ہے جسے ایامِ جاہلیت میں (بہت زیادہ) معظم مانا جاتا تھا لیکن اسلام نے اس کی خود ساختہ عظمت کو ترک کر دیا ہے۔[۱]

سعودی عرب کا فتویٰ

سعودی کی مستقل فتویٰ کمیٹی نے ایک سوال کے جواب میں فتویٰ صادر فرمایا؛ رجب کے پورے مہینے کے روزے رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں، اس لیے جو بھی ایسا کرے گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کی مخالفت کرے گا اور ایسا کرنا بدعت ہوگا۔[۲]

شعبان کا چاند دیکھنا

رجب کی ۲۹/ تاریخ کو شعبان کا چاند دیکھنا مستحب ہے، تاکہ شعبان کا حساب ٹھیک رہے اور ماہِ شعبان کی ۲۹/ تاریخ کو غروبِ آفتاب کے وقت رمضان المبارک کا چاند دیکھنا یعنی دیکھنے کی کوشش کرنا اور مطلع پر تلاش کرنا ضروری ہے، تاکہ شعبان کی ۲۹/ تاریخ کو رمضان المبارک کا چاند نظر آجائے تو اگلے دن سے رمضان کا روزہ رکھا جا سکے۔[۳] ۞

[۱] طبرانی اوسط: ۷۶۳۶

[۲] فتاویٰ الجنۃ الدائمۃ: ۲/ ۳۶۴

[۳] نسائی: ۲۱۱۷، ہندیہ: ۱/ ۱۹۷

ط: روزنامہ سہارا، متاعِ آخرت وغیرہ

معراجِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، واقعۂ معراج محض ایک جزوی وضمنی واقعہ نہیں تھا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا گیا اور آسمان وزمین کی بادشاہت بے پردہ و بے حجاب ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لائی گئی بلکہ نبوت کے اس غیبی وآسمانی سفر میں اس کے علاوہ بھی بہت بلند ولطیف مطالب ومعانی پوشیدہ ہیں اور اس میں بہت دوررس اشارات کیے گئے ہیں۔ سورہ 'اسراء' اور سورہ 'نجم' جو اس واقعے کے سلسلے میں نازل ہوئیں، یہ اعلان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں قبلوں یعنی مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کے نبی اور دونوں سمتوں یعنی مشرق ومغرب کے امام اور اپنے پیش رو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث اور بعد میں آنے والی پوری نسلِ انسانی کے رہبر ورہنما ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت اور آپ کے سفرِ معراج میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس اور مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ سے ہم آغوش ہوگئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے نماز پڑھی، یہ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام ودعوت کی عمومیت وآفاقیت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت

کی ابدیت اور ہر طبقۂ انسانی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی ہمہ گیر صلاحیت کی دلیل وعلامت تھی۔ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصت کا صحیح تعارف اوراس کی صحیح نشان دہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت وقیادت کا بیان، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس امت۔۔۔ جس میں آپ مبعوث ہوئے۔۔۔ کے اصل مقام وحیثیتِ عرفی کا تعین اوراس پیغام ودعوت اور مخصوص کردار کی پردہ کشائی کرتا ہے، جواس امت کواس وسیع وعریض دنیااور عالمی برادری میں انجام دینی ہے۔ واقعۂ معراج دراصل ایک محدود، مقامی اور عارضی نوعیت اور نبوت کی ابدی اور عالمگیر شخصیت کے درمیان خطِّ فاصل اور امتیازی لکیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی قومی یا مقامی لیڈر، کوئی ملکی ووطنی رہنما، کسی خاص نسل کے نجات دہندہ اور کسی نئی شوکت وعظمت کے بانی ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس معراجِ آسمانی کی ضرورت نہ تھی، اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ آسمان وزمین کی وسیع بادشاہت کے سیر ومشاہدہ کی حاجت تھی، نہ اس کی ضرورت کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے آسمان وزمین کا یہ نیا تعلق قائم ہو۔ اگر اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ سرزمین، یہ ماحول اور یہ سوسائٹی، آپ کے لیے کافی ہوتی، تو اس کو چھوڑ کر آپ کو کسی اور خطۂ زمین کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی، چہ جائے کہ بلند آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کی یا مسجدِ اقصیٰ تشریف لے جانے کی۔۔۔ جو کہ آپ کے شہر سے بہت دور اور عیسائی مذہب اور طاقت ورورومن شہنشاہی کے زیرِ اقتدار تھا۔

واقعۂ معراج یہ اعلان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان قومی وسیاسی رہنماؤں کی صف سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، جن کی صلاحیتوں اور کوششوں کا دائرہ ان کے ملک یا ان کی قوم تک محدود رہتا ہے اوران سے صرف انھیں نسلوں اور قوموں کو فائدہ پہنچتا ہے،

جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے اور اسی ماحول تک ان کا اثر باقی رہتا ہے، جس میں وہ پیدا ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس گروہ اور جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، وہ خدا کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کی صف ہے، جو آسمان کا پیغام زمین والوں کو اور خالق کا پیغام مخلوق کو پہنچاتے ہیں اور ان سے پوری نوعِ انسانی، زمانہ و تاریخ، رنگ و نسل اور ملک وقوم سے قطعِ نظر سرفراز و سربلند ہوتی ہے اور اس کی قسمت جاگتی ہے۔[۱]

یہ تو واقعۂ معراج میں پوشیدہ بلند ولطیف معانی کا بیان ہوا، اب قرآن کی زبانی واقعۂ معراج سنیے ارشاد ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ۔[۲]

پاک ہے وہ ذات! جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی، جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تا کہ ہم انھیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز جاننے والی ذات ہے۔

آیتِ مبارکہ کے پہلے ہی لفظ {سبحان} میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ یہ کوئی عام انسانی سفر نہیں بلکہ ایک عظیم الشان واقعہ ہے، کیوں کہ لفظ 'سبحان' تعجب اور کسی عظیم الشان امر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سفر روحانی نہیں بلکہ جسمانی تھا، اگر معراج صرف روحانی بطورِ خواب ہوتی تو اس میں کون سی عجیب بات ہے؟ خواب تو ہر کوئی مسلمان بلکہ کوئی بھی انسان دیکھ سکتا ہے کہ میں

[۱] ماخوذ از نبیٔ رحمت

[۲] الاسراء:۱

آسمان پر گیا اور فلاں فلاں کام کیے۔ □

لفظ {اسریٰ} اِسراء سے مشتق ہے، جس کے لغوی معنی رات کو لے جانے کے ہیں۔ اس کے بعد لیلاً کے لفظ سے صراحۃً بھی اس مفہوم کو واضح کر دیا اور لفظ لیلاً نکرہ لانے سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اس تمام واقعے میں پوری رات بھی صَرف نہیں ہوئی بلکہ رات کا ایک حصہ صَرف ہوا ہے۔

لفظ {بعبدہٖ} میں بھی معراج کے جسمانی ہونے کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ 'عبد' صرف روح نہیں بلکہ جسم وروح کے مجموعے کا نام ہے۔ اس مقام واکرام میں لفظ 'بعبدہٖ' سے ایک خاص محبوبیت کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ کسی کو خود فرما دیں کہ یہ میرا بندہ ہے، اس سے بڑھ کر کسی بشر کا کوئی اعزاز نہیں ہوسکتا۔ یہاں ایک نقطہ یہ بھی ہے کہ کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا ہونے کا وہم نہ ہو جائے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے عیسائیوں کو دھوکہ لگا ہے، اس لیے لفظِ عبد کہہ کر یہ بتلا دیا کہ ان تمام صفات وکمالات اور معجزات کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے ہی ہیں، خدا نہیں۔

شبِ معراج میں ایک سفر تو زمین پر ہوا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، اسے اسریٰ کہتے ہیں۔ دوسرا سفر وہاں سے آسمانوں کی طرف ہوا، اسے معراج کہتے ہیں۔ مگر قرآن کریم کی اس آیت میں صرف زمینی سفر کا ذکر ہے، آسمانی سفر کا ذکر نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ دن ورات صرف اس زمینی تضاد سے متعلق ہیں، آسمانوں میں اس طرح کے دن رات نہیں ہوتے، جو آفتاب کے طلوع وغروب سے متعلق ہوں۔ اس لیے اسریٰ اور لیل کے مقتضیٰ سے صرف زمینی سفر کے ذکر پر اکتفا کیا اور سورہ نجم میں آسمانی

سفر کو بیان کیا گیا{عند سدرۃ المنتھی}۔

{من المسجد الحرام} حرمت والی مسجد یعنی کعبہ سے۔

مسجدِ حرام اس مسجد کا نام ہے جو بیت اللہ کے گرد بنی ہوئی ہے اور بعض اوقات پورے حرم کو بھی مسجدِ حرام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

{الی المسجد الاقصیٰ} یعنی بیت القدس تک۔

مسجد اقصیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ 'اقصیٰ' کے معنی عربی زبان میں 'بہت دور' کے ہیں، چوں کہ وہ مسجد مکّہ سے بہت دور ہے، اس لیے اقصیٰ کہا گیا۔

{الذی بارکنا حولہ} میں حول سے مراد پوری زمینِ شام ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے دریائے فرات تک مبارک زمین بنائی ہے اور اس میں فلسطین کی زمین کو تقدس عطا فرمایا ہے۔ اس کی برکات دینی بھی ہیں اور دنیوی بھی۔ دینی برکات تو یہ ہیں کہ وہ تمام انبیائے سابقین کا قبلہ اور تمام انبیاء کا مسکن و مدفن ہے اور دنیوی برکات اس کی زمین کا سرسبز ہونا اور اس میں عمدہ چشمے، نہریں اور باغات وغیرہ کا ہونا ہے۔

{لنریہ من ایاتنا} تا کہ دکھلائیں اس کو اپنی قدرت کے کچھ نمونے۔

جن میں بعض تو خود وہاں کے متعلق ہیں، مثلاً: اتنی بڑی مسافت کو بہت تھوڑے سے وقت میں طے کر لینا اور تمام انبیاء سے ملاقات کرنا اور ان کی باتیں سننا وغیرہ اور بعض آگے کے متعلق ہیں، مثلاً: آسمانوں پر جانا اور وہاں کے عجائبات کا مشاہدہ کرنا۔

{انہ ھو السمیع البصیر} وہی ہے سننے والا، دیکھنے والا؛ یعنی اصلی سننے والا

اور دیکھنے والا خدا ہے۔ □

وہ جسے اپنی قدرت کے نشان دکھلانا چاہتا ہے دکھلا دیتا ہے۔اس نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مناجات کو سنا اور احوالِ رفیعہ کو دیکھا۔آخر 'معراج شریف' میں بی یبصر والی آنکھ سے وہ عظیم ترین نشانیاں دکھلائیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استعدادِ کامل اور شانِ رفیع کے مناسب تھیں۔

شبِ معراج کے مخصوص اعمال

شیخ ابن بازؒ فرماتے ہیں؛ رجب یا کسی دوسرے مہینے میں شبِ معراج کی تعیین کے متعلق صحیح احادیث سے کچھ ثابت نہیں اور اس کی تعیین کے متعلق جو روایات وارد ہوئی ہیں وہ محدثین کی تحقیق کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ پوشیدہ ہے، اگر بالفرض اس رات کی تعیین ثابت ہو بھی جائے تو بھی مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ ماہِ رجب کو مخصوص عبادات کے لیے خاص کر لیں، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ایسا کوئی اہتمام نہیں کیا اور اگر شریعت میں ایسا کوئی مخصوص عمل مشروع ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قول وفعل سے امت کے سامنے اس کی وضاحت ضرور فرماتے۔[۱]

❁❁❁

[۱] مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعۃ: ۱/ ۱۸۳

□

رجب کے کونڈے

فرہنگِ آصفیہ میں ہے:

کونڈا کرنا-فعلِ متعدی۔کسی ولی کے نام پر نیاز دلانا، کچھ پکا کر کونڈے میں کھلانا۔[۱]

عام طور پر مٹی کے برتن میں میٹھی چیز تیار کر کے اس پر فاتحہ کر کے اس کا ثواب حضرت امام جعفر صادقؒ کو ایصال کرنا کونڈے کی نیاز دینا کہلاتا ہے۔ ہمارے یہاں عرصے سے مسلمانوں کا یہ معمول بن گیا ہے کہ وہ بقول ان کے ۲۲/رجب کو حضرت امام جعفر صادقؒ کے لیے ایصال ثواب کی نیت سے کھیر، پوری پکا کر اس پر فاتحہ پڑھ کر مسلمانوں کو کھلاتے ہیں۔

آج کل معاشرے میں فرض، واجب کے درجہ میں جو چیز پھیل گئی ہے وہ کونڈے ہیں۔ نماز پڑھے نہ پڑھے، روزہ رکھے نہ رکھے، گناہوں سے بچے نہ بچے لیکن کونڈے ضرور کرے، خدا جانے یہ کونڈے کہاں سے نکل آئے، نہ قرآن کریم سے ثابت ہیں، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے، نہ تابعین سے نہ تبعِ تابعین سے اور نہ بزرگانِ دین

[۱] فرہنگِ آصفیہ: ۲/ ۱۶۸۵

سے۔اس کی کوئی اصل نہیں۔(بس) ہماری قوم مزہ اور لذت کی خوگر ہے،اس طرح کی چیزوں نے امت کو خرافات میں مبتلا کر دیا۔[۱]

اس مسئلے کی بنیاد اس پر ہے کہ انسان اپنے نیک عمل؛ نماز، روزہ، صدقہ یا کچھ اور کا ثواب دوسرے شخص کو، خواہ وہ زندہ ہو یا مُردہ۔۔پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ تو اہل سنت و جماعت کے نزدیک متفقہ مسئلہ یہی ہے کہ وہ ایسا کر سکتا ہے۔جیسا کہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے دو چتکبرے مینڈھے قربان کیے، ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی مسلمان امت کی طرف سے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دو چتکبرے اور سینگ والے مینڈھوں کو اپنے دستِ مبارک سے قربان کیا۔[۲]

اہل السنۃ والجماعت کو تو اس میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے ان کے کلام کو یہاں نقل کرنا کچھ ضروری نہیں البتہ جو لوگ اس مسئلے میں اختلاف کرتے ہیں، ان کے لیے ہم ایسے ہی ایک صاحب کی عبارت پیش کرتے ہیں، جنھیں وہ بھی اپنا بڑا مانتے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رقم طراز ہیں:

قراءتِ قرآن سے ایصالِ ثواب کے متعلق بعد تحقیق یہی فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کر کے ثواب میت کو بخشے، تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے،

[۱] اصلاحی خطبات:۱/ ۵۴

[۲] بخاری: ۵۵۵۴، مسلم:۱۹۶۶

بشرط یہ کہ پڑھنے والا خود بغرضِ ثواب، بغیر کسی رسم و رواج کی پابندی کے پڑھے۔[۱]

اب رجب کے مہینے میں بعض جگہوں پر جو کونڈے کی رسم کی جاتی ہے اور اسے امام جعفر صادق علیہ الرحمہ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، اس کا حکم ملاحظہ کیجیے:

اہلِ تشیع کی ایجاد

فتاویٰ ریاض العلوم میں ہے:

کونڈا اہلِ تشیع کی ایجاد کردہ حضرت صادق کی نذر ہے، جو بدعت شنیعہ ہے، لہٰذا اس کو منانے والا بدعتی ہے۔[۲]

یہ امام جعفرؒ کی تاریخِ ولادت ہے نہ وفات

کونڈوں کی مروجہ رسم مذہبِ اہل سنت والجماعت میں محض بے اصل، خلافِ شرع اور بدعتِ ممنوعہ ہے، کیوں کہ ۲۲/رجب نہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخِ پیدائش ہے اور نہ تاریخِ وفات۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۸/رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں ہوئی اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی، پھر بائیسویں رجب کی تخصیص کیا ہے؟ اور اس تاریخ کو حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کیا خاص مناسبت ہے؟ ہاں بائیسویں رجب، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخِ وفات ہے۔[۳]

---

[۱] حاشیہ فتاویٰ ثنائیہ: ۲/۳۹

[۲] فتاویٰ ریاض العلوم: ۱/۴۳۴

[۳] فتاویٰ محمودیہ: ۳/۲۸۱، جامعہ فاروقیہ، کراچی

دشمنانِ اسلام کی چال

احسن الفتاویٰ میں ہے:

کونڈوں کی مروّج رسم دشمنانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اظہارِ مسرت کے لیے ایجاد کی ہے۔ ۲۲/رجب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات ہے، ۲۲/رجب کو حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی تعلق نہیں، نہ اس میں ان کی ولادت ہوئی نہ وفات۔ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت ۸/رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ کو ہوئی اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لیے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔

جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی، اس وقت اہل سنت والجماعت کا غلبہ تھا، اس لیے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی علانیہ تقسیم نہ کی جائے، تاکہ راز فاش نہ ہو، بلکہ دشمنانِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے یہاں جا کر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں، جہاں اس کو رکھا گیا ہو اور اس طرح اپنی خوشی و مسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں، جب اس کا چرچہ ہوا تو اس کو حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کر کے یہ تہمت ان پر لگائی کہ انھوں نے خود اس تاریخ کو اپنی فاتحہ کا حکم دیا ہے، حالاں کہ یہ سب من گھڑت ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہرگز ایسی رسم نہ کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کر کے اس سے بچانے کی کوشش کریں۔[۱]

[۱] احسن الفتاویٰ: ۱/۳۶۸ بتصرف

مولانا عبد العلی صاحب فاروقی رقم طراز ہیں:

کیوں کہ اس وقت اہلِ سنت و جماعت کا غلبہ تھا اور وہ صحابیٔ رسول کی توہین اور ان کی وفات پر اظہار مسرت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے رافضیوں نے چھپ چھپا کر اپنے اپنے گھروں میں ہی ٹکیاں بنالیں اور انھیں آپس میں تقسیم کر کے خفیہ طور پر اظہارِ مسرت کر کے دشمنیٔ اصحاب کا ثبوت فراہم کیا، بعد میں جب اس کا چرچا شروع ہوا تو نہایت ہی شاطرانہ انداز میں (اسے) حضرت امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کر دیا۔[۱]

کونڈوں میں شرکت

اس رسم میں ہرگز شرکت نہیں کرنی چاہیے بلکہ حتی الوسع اسے مٹانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس دن نیک مقصد کے تحت (مروجہ طریق پر) خیرات کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ اس میں تشبہ بالروافض ہے، نیز ان کے مکروہ ترین عمل کو تقویت دینا ہے، اس عمل کی بنیادی غرض ہی صحابیٔ رسول کی توہین اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنا ہے۔[۲]

❁❁❁

[۱] تعارفِ مذہبِ شیعہ:۱۵۸

[۲] خیر الفتاوی:۱/ ۵۷۲